دھی رانی

ثمر افضل

معاشرتی افسانہ

ثمر افضل

دِھی رانی

بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں...
صرف بیٹوں کو ہی اپنا اثاثہ
سمجھنے والوں کے دل و دماغ پر
دستک دیتی تحریر

بڑی سی زیر تعمیر عمارت کے سامنے ایک ٹوٹا پھوٹا رکشا آ کر رکا۔ ڈرائیور نے طائرانہ نگاہ عمارت پر ڈالی۔ خاکی رنگ کی شلوار قمیص جس پر جا بجا لگے گریس کے کالے دھبے اسے بدنما بنا رہے تھے۔ عمارت کے بڑے سے گیٹ کے سامنے کھڑے ملازم کے پوچھنے پر اسے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے اس کی گردن فخر سے اونچی ہوگئی۔

''جاؤ میرے بیٹے کو بلا کر لاؤ۔''

ملازم گردن کو ہلاتے ہوئے گیٹ سے اندر گیا تو وہ بھی پیچھے پیچھے اندر آ گیا مگر قدم سامنے سے آتے بیٹے کو دیکھ کر رک گئے جو کسی سے بات کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ عمارت سے باہر آیا تو چند قدم چلنے پر ہی تیز دھوپ سے اس کی سفید رنگت میں خون دوڑنے لگا۔

''سر آپ کے والد صاحب آئے ہیں۔'' ملازم نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ وہ سانس روکے کھڑا تھا۔ آج اس نے اپنے بیٹے کو تین ماہ بعد دیکھا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی آواز سننا چاہتا تھا۔ اس کی بیتاب نظریں بیٹے کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں مگر سامنے کھڑے بیٹے نے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکال ملازم کو تھما دیا۔

''یہ دے دینا اور گیٹ کھولو۔'' جلدی سے کہہ کر اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

ملازم نے آ کر اسے وہ لفافہ دیا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا اور قمیص کی جیب میں ڈال کر واپس باہر آ گیا۔

رکشا چلاتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں اور وہ سامنے سے آتی گاڑی نہ دیکھ سکا۔

☆☆☆
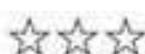
صحن میں پڑے تخت پر لیٹی عفہ خالی خالی نظروں سے پتوں میں چھپی چڑیا کو دیکھ رہی تھی جو کبھی اپنا ننھا سا سر نکال کر اسے دیکھتی تو کبھی دوبارہ پتوں میں چھپ جاتی۔ اماں پاس ہی بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔

''اماں! مجھے شہر جا کر ملازمت کرنے دے نا۔ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اپنے لیے، آپ دونوں کے لیے۔ مجھ سے ابا کو اس عمر میں مشقت کرتے نہیں دیکھا جاتا۔'' عفہ نے ایک بار پھر ماں کو لجاجت سے منانے کی کوشش کی۔ یہ بحث کئی روز سے معمول بنی ہوئی تھی۔

''تیرے ابا کہہ رہے تھے کہ کوئی ضرورت نہیں عفی کو شہر بھجوانے کی۔ تو ہماری ایک اکیلی دھی ہے۔ اب ہم تجھ سے کام کروائیں گے؟'' فاطمہ بی بی کی بات سن کر اس نے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

''اماں میں پہلی دفعہ تو شہر نہیں جا رہی۔''

''پہلے کی بات اور تھی، تب تو پڑھنے جاتی تھی۔ تیرے مامے نے ذمہ اری لی تھی۔ ویسے بھی تیرا ابا ابھی سلامت ہے۔'' اماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ چھٹے سے ہی اکھڑ گئی۔

''اماں! یہ آپ جو کہہ رہی ہیں نا، یہ سب اس ثریا خالہ کا پڑھایا ہوا ہے۔ اچھی طرح جانتی ہوں کچھ دن پہلے تک تو آپ راضی تھیں۔ ابا کو بھی ماموں نے منالیا تھا۔''

اس نے جلدی سے فاطمہ بی بی کے ہاتھ تھام لیا اور پھر نرم لہجے میں کہا۔

''اماں! کب تک ابا یوں کام کریں گے؟ وہ جب شام کو ریڑھی لگا کر گھر لوٹتے ہیں تو آپ نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا ہے؟'' عفہ نے ماں کو باپ کے کمزور ہاتھ یاد کروائے جو سارا دن گاؤں کی گلیوں میں پرانی سی ریڑھی کو گھسیٹ گھسیٹ کر شام تک سرخ انگارہ ہوجاتے تھے۔

''اماں لوگوں کی باتوں میں نہ آیا کریں۔ انھوں نے گھر کی حالت ٹھیک نہیں کرنی۔''

وہ تخت پر پڑی سبزی کی ٹوکری لے کر اٹھی اور ٹونٹی کھول کر سبزی دھونے لگی۔

''عفی! گھر میں ہی ٹوشن (ٹیوشن) پڑھا لیا کر۔'' فاطمہ بی بی نے نیا مشورہ دیا۔

''اماں میں نے ڈگری صرف بچوں ہی کو پڑھانے کے لیے نہیں لی۔ یہ فیس بھی کتنی دے دیں گے بھلا...... دوسو؟ شام کو ابا آئیں گے میں خود بات کروں گی۔'' عفہ بات ختم کر سبزی لے کچن میں آ گئی۔

☆☆☆

رات کے اندھیرے میں صحن میں لگے بلب کی پیلی روشنی عجیب سا احساس دلا رہی تھی۔ عفہ ویران نظروں سے سرخ اینٹوں کے فرش کو دیکھنے لگی۔ بچپن سے اس کا ایک ہی خواب تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو ایک پرسکون زندگی دے سکے۔ اس نے جب اس گھر میں آنکھ کھولی اس وقت سے اب تک اس ایک کمرے اور صحن کے گھر میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی بس یہ ہوا تھا کہ ایک ایک پائی جوڑ کر ابا نے ایک پکا باورچی خانہ بنوا دیا تھا تاکہ سردیوں میں کام کرنے میں آسانی ہو۔

''کیا ہوا میری دھی رانی کو؟'' ابا نے عفہ کے جھکے ہوئے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ وہ غریب ان پڑھ ضرور تھا مگر بیٹی کو رحمت سمجھتا تھا اور اس کے ہر ممکن لاڈ اٹھاتا۔

''ابا ایک بات بتائیں۔'' عفہ نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''آپ کو مجھ پر اعتبار ہے نا؟'' اس کے لہجے میں بچوں جیسی معصومیت تھی۔

''مجھے اپنی دھی پر پورا اعتبار ہے۔ تجھ پر اعتبار نہیں کرنا تو اور کس پر کرنا ہے؟ اعتبار نہ ہوتا تو اتنے سال شہر میں پڑھائی کے لیے بھیجتا؟''

''تو پھر اب آپ مجھے شہر کیوں نہیں جانے دے رہے؟ کیا صرف بیٹے ہی نوکری کر سکتے ہیں؟ بیٹیاں نہیں؟'' اپنی بات مکمل کرتے کرتے اس کی آواز رندھ گئی۔

مشتاق نے بیٹی کو دیکھا پھر چائے کا خالی کپ ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے بولا:

''ٹھیک ہے۔ تو جا شہر، مگر میری بھی اک شرط ہے۔''

''عفی کے ابا!'' اماں نے تڑپ کر کہا مگر مشتاق نے فاطمہ بی بی کو ہاتھ اٹھا کر بولنے سے روک دیا۔

''میں جانتا ہوں میری دھی میرا سر کبھی جھکنے نہیں دے گی۔ تو جانتی ہے کہ پنڈ میں سب جانتے ہیں مشتاق سبزی والے نے ہمیشہ حلال کمایا ہے۔ سب عزت کرتے ہیں میری۔ میں چاہتا ہوں کہ تو بھی ہمیشہ حلال کمائے۔''

''ابا! آپ کی شرط؟'' عفہ نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں تو میری شرط یہ ہے کہ'' ...... ابا نے عفہ کی طرف دیکھا کر کہا۔ ''تو ہر مہینے اپنے ابے کو ملنے آئے گی!''

☆☆☆

عفہ اپنی ڈگریوں کی فائل پکڑے ایک بڑی سی فیکٹری کے سامنے کھڑی تھی۔ صبح سے یہ اس کا تیسرا انٹرویو تھا۔ ایک ہفتے پہلے اخبار میں ''ضرورت ہے'' کا اشتہار دیکھ کر اس نے مختلف جگہوں پر اپنی سی وی بھیجی تھی۔ آفس میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک نظر گلاس ڈور میں نظر آتے اپنے عکس پر ڈالی۔ سادہ سا لباس، پاؤں میں اس سے بھی سادہ جوتا اور ایک بڑی سی سفید چادر! وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ ملازم نے اس کا نام پکارا تو وہ اپنی فائل اور ہینڈ بیگ سنبھالتے ہوئے اٹھ گئی۔ دروازے کے باہر جنرل منیجر کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا تو سامنے بڑی سی کرسی پر ایک باوقار خاتون بیٹھی تھیں جن کی عمر پچاس کے قریب تھی۔

''آیئے مس عفہ!'' آواز کی مٹھاس نے عفہ کو کافی حوصلہ دیا تھا۔''

''شکریہ میڈم۔'' عفہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پلیٹ پر لکھے نام کی طرف دیکھا جہاں عبدالستار کا نام جگمگا رہا تھا۔ سفینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ نام میرے بیٹے کا ہے۔ وہ نماز پڑھنے گیا ہے۔'' عفہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا پھر اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل سفینہ بیگم کے سامنے کی۔ سفینہ بیگم نے اس کی فائل دیکھ کر کچھ سوالات کیے۔ وہ اس سے بہت متاثر لگ رہی تھیں۔

''آپ کو بہت جلد بتا دیا جائے گا۔''

عفہ کمرے سے باہر آ رہی تھی کہ اچانک سامنے سے آتے ہوئے عبدالستار پر نظر پڑی۔ وہ نظر جھکا کر گزر گئی۔

''ارے آپ ابھی تک گھر نہیں گئیں؟'' عبدالستار نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

''سب سے اچھا تعلیمی ریکارڈ اسی لڑکی کا ہے۔''

''وہ جو ابھی گئی؟'' عبدالستار نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے عفہ کا سراپا لہرایا۔ جس پر اس نے دوسری نظر ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

☆☆☆

عفہ ممانی کے ساتھ کچن میں کام کروا رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سارے دن کی روداد سنا رہی تھی۔

''عفہ بیٹا! مبارک ہو ملازمت کی کال آ گئی۔ کیسے نا آتی؟ میری بیٹی ہے ہی اتنی قابل۔'' ماموں نے خوشی سے عفہ کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ اس کا ماموں آٹھویں پاس تھا مگر شہر میں رہتے اس نے اپنا دیسی لب و لہجہ کافی حد تک بہتر کر لیا تھا۔

''کہاں سے کال آئی؟'' عفہ نے جلدی سے پوچھا۔

''سفینہ گارمنٹس!''

عفہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر جتنا بھی شکر کرتی، کم تھا۔ اسے اپنی صلاحیتوں پر تو اعتماد تھا مگر یہ یقین نہیں تھا کہ بغیر کسی تجربے کے، اتنی بڑی کمپنی اسے ملازمت پر رکھ لے گی۔

☆☆☆

عفہ نے سفینہ گارمنٹس کو جوائن کر لیا تھا۔ اس نے جس رفتار سے کام سیکھا، اس پر سفینہ خوش اور عبدالستار حیران تھا۔

''ماما آپ کو نہیں لگتا یہ لڑکی حد سے زیادہ تیز ہے!'' عبدالستار نے آنکھوں کو ذرا سا بند کر کے شیشے کے پار عفہ کو غور سے دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں لمبی سی چادر سر پر ٹکائے کمپیوٹر پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ چادر کی وجہ سے اس کا آدھا رخ ہی عبدالستار کو نظر آ رہا تھا۔

''تیز نہیں ذہین ہے!'' سفینہ بیگم نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

''جو بھی ہے میری نظر میں تو عجیب ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

سفینہ بیگم کچھ بولنے لگی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ!''

عفہ ہاتھ میں فائلیں پکڑے اندر آئی جو آج سفینہ نے آتے ہی اسے پڑھنے کے لیے دی تھیں۔ اب وہ میز کے

پاس کھڑی انھیں سمجھا رہی تھی۔ عبدالستار نے نوٹ کیا کہ بات کرتے ہوئے اس کی نظر عبدالستار کے بوٹوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ کافی دیر وہ ان کو دیکھتی رہی پھر چلی گئی۔ عفہ کی نظروں کو عبدالستار نے بھی نوٹ کیا۔ اس لیے اس کے جانے کے بعد اس نے اپنے جوتے چیک کیے مگر وہ پالش کی وجہ سے چمک رہے تھے۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''یہی کہ وہ کیا دیکھ رہی تھی؟'' عبدالستار نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

☆☆☆
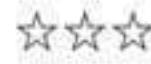
''عفی دے ابا! اس بار میں نے بھی تیرے ساتھ شہر جانا ہے۔ مہینے میں ایک بار آتی ہے۔ اپنی دھی کو دیکھے کتنے دن ہو گئے۔'' فاطمہ بی بی نے اپنے شوہر سے اردو پنجابی ملا کر کہا۔

''اس بار سوچ رہا ہوں اپنا سب کچھ سمیٹ شہر چلتے ہیں۔ میری دھی اچھا کمانے لگ گئی ہے۔ تیرے بھائی کو کہا تھا میں نے ایک کمرے کا مکان ہی لے دے۔ آج اس کا فون آیا تھا۔'' مشتاق صاحب نے انھیں بتایا تو وہ جو لیٹی ہوئی تھی اٹھ بیٹھی۔

''میں نے تیرے بھائی سے کہہ دیا ہے کہ عفی کو کچھ نہیں بتانا۔''

''ہاں اس بار ہم نے عفی کو سرپیر دینا ہے۔'' فاطمہ بی بی نے خوشی سے کہا تو مشتاق صاحب نے سر پکڑ لیا۔

''سرپیر نہیں جھلیے سرپریز (سرپرائز)!''

''آہو جو بھی ہے!''

☆☆☆

چوکیدار رفیق کے روکنے کے باوجود مشتاق اور فاطمہ بی بی عفہ کے آفس کے باہر کھڑے تھے۔

''ہماری دھی رانی اسی آفس میں کام کرتی ہے۔ آپ اسے باہر بلاؤ۔'' مشتاق نے چوکیدار سے کہا۔

''دیکھیں یہاں کوئی دھی رانی نام کی لڑکی کام نہیں کرتی۔''

''اوئے! اسے دھی رانی صرف میں کہتا ہوں۔ اس کا نام عفہ مشتاق ہے۔''

مشتاق صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے کہا۔ ''جا اسے بتا اس کا ابا آیا ہے۔''

وہ اپنے آفس میں بیٹھی ماہانہ کارکردگی کی رپورٹ بنا رہی تھی۔ باہر سے گاہے گاہے مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے چپراسی کھڑا تھا۔

''آپ کے والدین آئے ہیں!'' چوکیدار کہہ کر چلا گیا۔

وہ آفس سے باہر آئی۔ سامنے ابا کھڑے رفیق سے کچھ کہہ رہے تھے اور ساتھ ہی چادر سے منہ چھپائے کھڑی اماں! اور اگلے ہی لمحے وہ اماں کے گلے لگ چکی تھی۔ ابا کا شفقت بھرا لمس اپنے سر پر محسوس کر کے اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ اسے قطعاً پروا نہیں تھی کہ سب دیکھ کر کیا سوچیں گے۔ وہ اپنے اماں ابا کو لے کر اپنے آفس میں آ گئی۔

''میں پنڈ جا کر سب کو بتاؤں گا کہ میری دھی رانی اتنے بڑے آفس میں کام کرتی اور نرم کرسی پر بیٹھتی ہے۔'' مشتاق صاحب نے بھیگے لہجے میں کہا۔ عفہ نے آگے بڑھ کر اپنی چادر کے پلو سے ابا کی آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔

عبدالستار اپنے آفس کی کھڑکی کے پاس کھڑا شیشے سے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے ماما کو آج کا سارا واقعہ سنا دیا۔ وہ مسکرا رہا تھا جب کہ سفینہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''کیا ہوا ماما؟''

''بیٹا تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے عفہ کو نوکری کیوں دی جب کہ نوکری کے لیے تین سال کا تجربہ ضروری

تھا۔ مجھے اس میں اپنی جھلک نظر آئی۔'' سفینہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ تو اس کے ٹائی اتارتے ہاتھ ساکت ہو گئے۔

میں ایک رکشا ڈرائیور کی بیٹی ہوں۔ میری ماں کپڑے سلائی کرتیں۔ والدین نے ایک ایک پائی جوڑ کر ہمیں پڑھایا اور اس قابل بنایا کہ ہم اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔ ہمیں اس لائق بنایا کہ سر اٹھا کر زندگی گزار سکیں مگر بیٹا اولاد بڑی احسان فراموش ہوتی ہے۔ جس وقت ماں باپ کی محنت کا صلہ دینے کا وقت آئے، ہم ہاتھ چھڑا لیتے ہیں۔ ابو نے بھی دن رات ایک ایک پیسا جوڑ کر بڑے بھائی کو پڑھایا۔ اسے انجینئر بنایا مگر وہ بھول گیا کہ اس کے غریب ماں باپ بھی ہیں جن کی آنکھیں اسے دیکھنے کو ترس جاتی ہیں۔ وہ ہر بار ان کی محبت کو پیسوں سے تول دیتا۔ عفہ کے باپ کی طرح میرا باپ بھی گیا تھا اپنے شہزادے بیٹے سے ملنے۔ تپتی دھوپ میں کھڑے وہ اس کا انتظار کرتے رہے اور اس نے ملازم کے ہاتھ پیسے بھیج دیے۔ اس دن ابا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ دوبارہ کبھی چل نہ سکے۔''

سفینہ بیگم نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ماں کو سینے سے لگا لیا۔ ''انسان اپنی پہلی اولاد سے بہت محبت کرتا ہے۔ بابا کو اس کی بے رخی نے مار ڈالا۔ میں نے اپنی پڑھائی چھوڑ دی۔ دن رات ان کی خدمت کی مگر جانتے ہو، ان کے آخری الفاظ کیا تھے؟''

سفینہ نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا اور بولیں۔ ''وہ میرا غرور تھا، ٹوٹنا ہی تھا۔''

☆☆☆

کچھ دن بعد سفینہ بیگم مشتاق صاحب کے گھر سوالی بن کر آئیں اور اپنے بیٹے کے لیے عفہ کا رشتہ مانگ لیا۔ وہ سب اس اچانک آمد پر حیران تھے مگر سفینہ بیگم نے انھیں کسی قسم کا تکلف کرنے سے باز رکھا۔ رفیق ماموں اپنی پوری فیملی کے ساتھ ان کے چھوٹے سے گھر میں آ گئے تھے۔ عائشہ اور علی نے پورے گھر کو سجایا جبکہ زوبیہ اور فاطمہ بی بی نے باورچی خانے کے انتظامات سنبھال رکھے تھے۔ عائشہ اسے تیار کر کے کمرے میں چھوڑ کر جا چکی تھی مگر اسے سکون نہیں آ رہا تھا۔ پھر کچھ یاد آنے پر وہ ساتھ والے کمرے میں گئی جہاں ابا تیار ہو رہے تھے۔

''ابا! یہ لیں۔'' عفہ نے مشتاق صاحب سے کہا جو بیڈ پر بیٹھے بھورے رنگ کی پشاوری جوتی پہن رہے تھے۔ ان کے سامنے چمچماتے بوٹوں کی جوڑی رکھی۔ تو انھوں نے فرطِ جذبات سے اس کے سر پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ دیا مگر وہ اٹھی نہیں۔ خاموشی سے ان کی جوتی اُتار کر نئے بوٹ پہنا دیے۔

''میری دھی کو آج بھی اپنے ابے کی ہی فکر ہے۔''

''میں جب بھی سر کے بوٹ دیکھتی تو مجھے آپ کی ٹوٹی ہوئی چپل یاد آتی۔ میں نے پہلی تنخواہ سے یہ لیے تھے مگر آپ کو دے نہ سکی۔'' عفہ نے سر اٹھایا تو ابا نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔

عفہ نے ابا کے ہاتھ سے رومال لیا اور آنکھوں کی نمی صاف کی۔ باہر سے آنے والی آواز سن کر ابا اس کا ہاتھ تھامے باہر آئے۔ اسے صوفے پر بٹھا کر عبدالستار کے ساتھ بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عبد الستار کی نظر مشتاق صاحب کے جوتوں پر پڑی پھر اس نے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ مشتاق صاحب کے جوتے بھی اسی برانڈ کے تھے جس برانڈ کے وہ پہنتا تھا۔ وہ جو چپل پہن کر آفس جاتی تھی۔ تنخواہ ملنے کے ایک ہفتے بعد بھی جب وہ پرانے جوتے ہی پہن کر آتی رہی تو اس نے سوچا تھا کہ وہ نہایت اجڈ یا کنجوس پینڈو قسم کی لڑکی ہے مگر آج وہ جان گیا تھا کہ بیٹی ماں باپ کے لیے وہ رحمت ہے جو اپنے سکھ میں بھی پہلے ماں باپ کا سکھ سوچتی ہے۔ آج اس پر حقیقت کھل چکی تھی کہ وہ اس کے جوتوں کی طرف کیوں دیکھتی تھی۔